اردو اور دہلی کا شہریار

فاروق ارگلی

پروفیسر اختر الواسع

ہمارے زمانے کی دہلی جو کہ اب قومی راجدھانی کا علاقہ کہلاتی ہے، آٹھ دلّیوں سے مل کر بنی ہے۔ ان دلّیوں نے کیسے کیسے صاحب کمال، عرفان و تصوف کے نمونے اور کتنے خاندانوں کی وجاہت اور شکوہ کے منظر دیکھے ہیں وہ اب سب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ یہ جنم بھلی دلّی نہ جانے کتنی بار اجڑی اور اجڑ کر پھر بسی اس کا تذکرہ ہی کیا۔ بقول حالیؔ جو کہ دلّی کے آخری مرثیہ گو تھے، انھوں نے کہا تھا کہ:

چپے چپے پہ یاں گوہر یکتا تہہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

اس دلّی میں تقریباً 45 سال تو ہمیں ہوئے چاہتے ہیں لیکن اس دلّی سے ہمارا تعلق نصف صدی سے زیادہ کا ہے اور اس نصف صدی میں ہم نے جن دلّی والوں کو بہت قریب سے دیکھا اور جانا ان میں مشہور قلم کار جناب فاروق ارگلی بھی ہیں۔ فاروق ارگلی نے ساری زندگی قلم کے مزدور کی حیثیت سے گزاری اور وہی ان کی پہچان بن گئی۔ یہ کم تعجب کی بات نہیں بلکہ جائے عبرت ہے کہ فاروق ارگلی صاحب نے زندگی بھر خدمت تو اردو کی کی لیکن ان کے اور ان کے گھر والوں کی پیٹ کی آگ بجھانے کا زیادہ تر کام ہندی نے کیا۔ فاروق ارگلی صاحب نے ہندی میں لکھا بھی، ترجمے بھی کیے اور کون سا ایسا میدان ہے، اچھا یا برا جس میں انھوں نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ بعض اوقات یہ خیال آتا ہے کہ وہ شخص جو اب فرید بک ڈپو اور ایم آر چپلی کنشنز کے لیے مقبول ترین کتابیں تیار کر رہا ہے، اگر اس نے کچھ کتابیں جو دوسرے ناموں ہی سے سہی، نہ لکھی ہوتیں، تو اچھا ہوتا لیکن آج میرا یہ کہہ دینا بہت آسان ہے لیکن پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے فاروق ارگلی صاحب جیسے لوگوں نے جو کام کیے، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے ہی پڑتے ہیں۔

فاروق ارگلی نے اپنے نام کے ساتھ اپنے وطن 'ارگل' کا لاحقہ اس لیے لگایا کہ ہر طرح کے دوسرے لاحقے والے فاروق پہلے سے موجود تھے۔ کم عمری میں فاروق ارگلی دلّی اور بمبئی یعنی اب ممبئی میں جا بسے لیکن ان کا مقدر دہلی سے وابستہ تھا اور وہی انھیں راس آئی۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آزادی کے بعد کے 60 برسوں کی دہلی کو فاروق ارگلی صاحب نے اچھی طرح دیکھا۔ وہ اردو بازار جو کبھی کتابوں کے لیے جانا جاتا تھا اور اب کباڑوں سے جس کی پہچان ہوتی ہے اور جس میں پہلے کبھی کشادہ دماغ لوگ آتے جاتے تھے، جہاں شعر و شاعری کا چرچا ہوتا تھا علم و حکمت کی باتیں ہوتی تھیں، اب وہاں پر حبیب، روزنامہ 'فیصل جدید' کے ایس ایم عثمان، عالمی اردو کانفرنس کے بانی علی صدیقی سے وابستہ رہے اور اردو کے ایسے مہتم بالشان پروگرام، مشاعروں سمیت ادبی محفلیں اور کئی سیمینار منعقد کیے کہ جن کی یادیں ابھی تک تازہ ہیں، ہفت روزہ ہندوستانی اردو مورچہ کی ادارت کی، اردو کی سیاست کو قریب سے دیکھا بلکہ اس کا حصہ بھی رہے، دہلی میں حیدرآباد کے روزنامہ 'منصف' کے بیورو چیف کی حیثیت سے وقت کاٹا۔ چھ سال تک راشٹریہ سہارا اردو میں ہر ہفتے ایک مضمون لکھتے رہے، جس سے ان کی، ان کے نام سے پہچان پورے ہندوستان کیا بلکہ جہاں جہاں اردو تھی، پہنچ گئی۔ وہ اس بات کا اعتراف خود بھی کرتے ہیں کہ عالمی اردو کانفرنس اور راشٹریہ سہارا سے وابستگی نے انھیں راتوں رات شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

فاروق ارگلی نے دہلی چھ یعنی فصیل بند شہر اور اس کی شخصیتوں اور سرگرمیوں کو بہت قریب سے دیکھا اور اس میں حصہ بھی لیا۔ فاروق ارگلی نے استاد رسا گلخانہ کے سلطان اختر، یونس سلیم صاحب، خواجہ خلیل اللہ، ڈاکٹر فیروز دہلوی، مولانا ذبیشان ہدایتی سب کو بہت قریب سے دیکھا۔ ان کے ساتھ ان کا رشتہ بھی رہا۔

> فاروق ارگلی نے ساری زندگی قلم کے مزدور کی حیثیت سے گزاری اور وہی ان کی پہچان بن گئی۔ یہ کم تعجب کی بات نہیں بلکہ جائے عبرت ہے کہ فاروق ارگلی صاحب نے زندگی بھر خدمت تو اردو کی کی لیکن ان کے اور ان کے گھر والوں کی پیٹ کی آگ بجھانے کا زیادہ تر کام ہندی نے کیا۔

بڑے دماغوں کی جگہ بڑے پیٹ لیے لوگ پھرتے ہیں۔

فاروق ارگلی صاحب نے صرف قلم کے مزدور کی حیثیت سے ہی کام نہیں کیا بلکہ وہ بابو جگ جیون رام، ان کے بیٹے سریش رام، دلیپ کمار، رحمن نیر، مہدی حسن، یونس سلیم، جاوید بشیر، کام کاج، ہندوستان، ہندوستانی صحافت، گلزار نسیم، کلیات جدبی، ما بعد سخن، کلیات عجب مسکین، خمار بارہ بنکوی، رخشاں، کالے دھن کے گورے بدن، پنڈ منی (چھماوتی)، کارواں خبریں، نوشاد، فاروق ارگلی، فاروق ارگلی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کی کتابوں کے مطالعے سے ہی ہوا۔ فاروق ارگلی صاحب نے عمر کے اس حصے میں غیر معمولی کام کیے اور کیے جا رہے ہیں۔ انھوں نے فرید بک ڈپو کے لیے نہ جانے کتنے شعرا، ادبا اور اردو کے محسنین کے مجموعے اور کلیات ترتیب دیے۔ یہی کوشش کی تو راز یہ کھلا کہ وہ مطلقہ ہے، اس کی پہلی شادی ہو چکی ہے اور ایک بیٹی بھی ہے۔

میں نے اسے بھول جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ مگر قسمت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک موڑ پر وہ مجھ سے پھر سے ٹکرا گئی مگر اس بار اس کے چہرے پر مسکان اور باتوں میں نرمی تھی۔ وہ کافی متانت سے مجھ سے مخاطب ہوئی اور پوچھ بیٹھی:

''آپ ساحل صاحب ہیں نا، مشہور مشاطہ!۔'' میں نے کہا ''ہاں'' تو وہ پھر سے بولی۔ ''آپ کا مجھ پر ایک احسان ہے۔''

''کیسا احسان؟'' میں نے پوچھا تو وہ بولی:

''ہمارے ابا حضور کو میری شادی کے لیے رشتہ آپ ہی نے مہیا کرایا تھا۔''

''اچھا تو یہ بات!'' ارے نہیں بھئی، پیٹھے میں احسان کیسا اور کس پر! میں نے معذرت سے آگے کہا۔

''آپ کے ابا حضور نے میرا منہ مانگا معاوضہ ادا کیا ہوگا اور انھیں معتبر رشتہ مل گیا ہوگا، اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔''

''یہ آپ ہی کا تو کمال تھا صاحب! ایک کم ظرف فیملی کو دانستہ طور پر معتبر بنا کر میرے سر منڈھ دیا تھا کیونکہ لڑکے والے آپ کے دور کے رشتہ دار جو تھے۔ آج اگر میں ایک مطلقہ ہو کر اپنی بچّی کے ساتھ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوں تو اس کے ذمہ دار کہیں نہ کہیں آپ بھی ہیں۔'' وہ ایک ہی سانس میں دل کا سارا غبار باہر نکال دی اور میں ہمدردی جتاتے ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''واقعی میں تمہارا گناہ گار ہوں جو ہو سکے تو مجھے معاف کر دو یا پھر جو سزا تجویز کرو میں بھگتنے کو تیار ہوں۔''

''میں کون ہوتی ہوں سزا مقرر کرنے والی؟'' وہ آگے بولی: ''آپ بس اتنا کرم فرما دیں، میری سچائی جان کر اپنی چاہت کو کم نہ کریں، میرے ساتھ میری بچّی کو بھی قبول فرما لیں۔ ہو سکتا ہے اس کرم فرمائی سے آپ کی اس فاش غلطی کا مداوا ہو جائے۔''

اس کی اس التجا نے مجھے گہری سوچ میں ڈال دیا۔ مجھے قدرے احساس ہوا کہ میں ہی اس کے پیار میں پاگل ہوا جا رہا تھا اس لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں بن رہی تھی اور اس لیے میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

گھر پہنچ کر میں نے پھر سے بہن سے رجوع کیا تو وہ اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ گئی۔ بہن کا درد چھلک پڑا۔

''ذرا سوچئے بھیا آپ کی اس حرکت سے میری شادی کے رشتے پر کیا اثر پڑے گا۔ لڑکے والے اس کا کیا نتیجہ اخذ کریں گے۔''

میری خود غرضی نے مجھے اسے اور اس کی بیٹی کو اپنانے سے انکار کر دیا۔ مگر اس کی معصوم بچّی کی ایک مسکان نے میرے پتھر دل کو موم کر دیا اور میں۔۔۔ ■

E-20Gulshan colony,
West chowbaga Kolkata-700105
Mobile: 6290943040

التجا

افسانہ

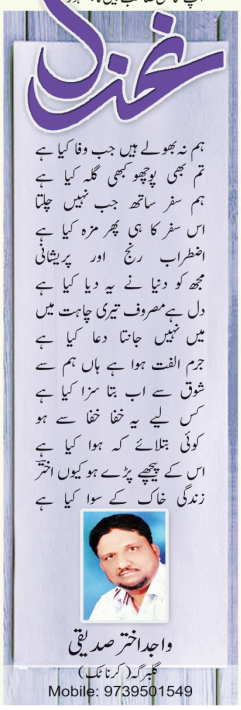

> آپ بس اتنا کرم فرما دیں، میری سچائی جان کر اپنی چاہت کو کم نہ کریں، میرے ساتھ میری بچی کو بھی قبول فرما لیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کرم فرمائی سے آپ کی اس فاش غلطی کا مداوا ہو جائے۔

واجد اختر صدیقی
گھبرہ (کرناٹک)
Mobile: 9739501549

نعت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم

تیرے روضے کا جو دربان مقرر ہوتا
ساری دنیا سے نصیبہ مرا خوشتر ہوتا

جالیاں روضۂ اطہر کی چمکتیں ہیں مجھے
کاش دیدار کو وہ نور کا منظر ہوتا

روز ہی میں ترے روضے کی زیارت کرتا
تیری مسجد کا کوئی میں جو کبوتر ہوتا

پھر پکڑتا میں کبھی گنبدِ خضریٰ کے قریب
سامنے میرے ترا روضۂ اطہر ہوتا

جن ابابیلوں نے کعبے کی حفاظت کی ہے
کوئی ان میں سے ابابیل میں دلبر ہوتا

نام جس پہ ہے لکھا احمدِ مرسلؐ کا قمرؔ
کاش کہ میں وہی انمول سا پتھر ہوتا

اسماعیل قمر سوہوی
راجے ڈیہا بازار، سنت کبیر نگر یوپی
Mobile: 9423361895

ستم

ہم نہ بھولے ہیں جب وفا کیا ہے
تم بھی پوچھو کبھی گلہ کیا ہے
ہم سفر ساتھ جب نہیں چلتا
اس سفر کا ہی پھر مزہ کیا ہے
اضطراب رنج اور پریشانی
مجھ کو دنیا نے یہ دیا کیا ہے
دل ہے مصروف تیری چاہت میں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
جرم الفت ہوا ہے ہاں ہم سے
شوق سے اب بتا سزا کیا ہے
کس لیے یہ خفا خفا سے ہو
کوئی بتلائے کہ ہوا کیا ہے
اس کے پیچھے پڑے ہو کیوں اختر
زندگی خاک کے سوا کیا ہے

محمد خورشید عالم سیف

ستم

آج ایک ضروری کام سے میں بازار کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں، میری نکر ایک حسینہ سے ہو گئی۔ حالانکہ میں اس سے دانستہ طور پر نہیں ٹکرایا تھا۔ راستہ تنگ ہونے کی وجہ سے یہ سانحہ پیش آ گیا۔

میری شامت آئی تھی جو مجھ سے ایسی گستاخی سرزد ہو گئی۔ میرے معافی مانگنے کے کے باوجود وہ مجھ پر چڑھ بیٹھی اور لگی مجھ پر غرانے۔ وہ مجھے گھنٹوں برا بھلا کہتی رہی اور میں سرِ خم تسلیم اس کی گستاخیاں سہتا رہا۔

میں چاہتا تو اس کا گریبان پکڑ کر اسے اپنی اصلیت بتا دیتا مگر میں مجبور تھا کیونکہ وہ میری لاڈلی بہن کی اکلوتی سہیلی تھی اور شاید اسی لئے میں نے اسے جانے دیا۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے دیکھا وہ مجھے پیچھے مڑ کر بار بار دیکھ رہی تھی۔

میں قدرے پریشان ہو گیا۔ گھر واپس آ کر ایک پل کے لئے بھی اسے بھلا نہیں پایا۔ رات رات بھر اسی کے بارے میں سوچتا رہتا۔ میرے خوابوں اور خیالوں میں وہ ہر دم بسی رہتی۔ میں چاہ کر بھی اسے اپنے وجود سے جدا نہیں کر پا رہا تھا۔

ایک صبح نہ جانے مجھے کیا سوجھا میں اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور حال دل سنانا ہی چاہا مگر اس کا جارحانہ تیور دیکھ کر میرے حواس گم ہو گئے۔ اس بار بھی وہ مجھ پر غرانے لگی تو میں سہم گیا۔ میری زبان گنگ رہ گئی اور میں نامراد واپس آ گیا۔ اس کی بے رخی نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ مگر میں نے بھی ہار نہیں مانی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا وہ ایک دن ضرور مان جائے گی اور میرے تئیں سنجیدہ ہو جائے گی۔ تمام تر کوششوں کے باوجود بھی جب میں اس کے دل میں اپنے لئے کوئی جگہ نہیں بنا پایا تو تھک ہار کر گھر پر بیٹھ گیا۔ میں اپنی دلی کیفیت کس سے بیان کرتا۔ اور اگر اسے اپنے اندر ہی دبائے رکھتا تو ایک دن غبار بن کر پھٹ جانے کا ڈر تھا۔ سو کافی ہمت جٹا کر اپنا حال دل چھوٹی بہن کے سامنے رکھا تو وہ برملا بول پڑی۔

''کہیں آپ حنا کی تو بات نہیں کر رہے ہیں؟''

''ہاں، ہاں وہی۔'' میں نے برجستہ کہا تو بہن کے منہ سے نکلا: ''اچھا اب سمجھی! آخر وہ مجھ سے آپ کے ہی متعلق باتیں کیوں کیا کرتی تھی۔ مثلاً آپ کے عادت و اطوار کیسے ہیں؟ آپ کی پسند ناپسند کیا ہیں اور تو اور اس نے یہ تک جان لیا کہ آخر ہماری بڑی بھابی کو بھیا نے گھر سے بے گھر کیوں کر دیا تھا، وہ بھی اس حالت میں جبکہ وہ حاملہ تھی۔ بس یہی ایک سچ بتانا تھا کہ اس نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا اور شاید اسی لیے وہ آپ سے بھی۔۔۔''

بہن کے ذریعہ ان حقائق سے روبرو کرائے جانے کے بعد کم از کم اس کی ناراضگی کا اندازہ تو ہوا مگر میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا اتنی چھوٹی سی بات اتنی بڑی ناراضگی کی وجہ بن سکتی ہے!

میں نے بہن کو یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ کسی طرح اصل وجہ کا پتہ لگائے مگر مشکل یہ تھی کہ اب اس نے بہن سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ جب میں نے دوسرے ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو راز یہ کھلا کہ وہ مطلقہ ہے، اس کی پہلی شادی ہو چکی ہے اور ایک بیٹی بھی ہے۔

میں نے اسے بھول جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ مگر قسمت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک موڑ پر وہ مجھ سے پھر سے ٹکرا گئی مگر اس بار اس کے چہرے پر مسکان اور باتوں میں نرمی تھی۔ وہ کافی متانت سے مجھ سے مخاطب ہوئی اور پوچھ بیٹھی:

''آپ ساحل صاحب ہیں نا، مشہور مشاطہ!۔'' میں نے کہا ''ہاں'' تو وہ پھر سے بولی۔ ''آپ کا مجھ پر ایک احسان ہے۔''

''کیسا احسان؟'' میں نے پوچھا تو وہ بولی:

''ہمارے ابا حضور کو میری شادی کے لیے رشتہ آپ ہی نے مہیا کرایا تھا۔''

''اچھا تو یہ بات!'' ارے نہیں بھئی، پیٹھے میں احسان کیسا اور کس پر! میں نے معذرت سے آگے کہا۔

''آپ کے ابا حضور نے میرا منہ مانگا معاوضہ ادا کیا ہوگا اور انہیں معتبر رشتہ مل گیا ہوگا، اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔''

''یہ آپ ہی کا تو کمال تھا صاحب! ایک کم ظرف فیملی کو دانستہ طور پر معتبر بنا کر میرے سر منڈھ دیا تھا کیونکہ لڑکے والے آپ کے دور کے رشتہ دار جو تھے۔ آج اگر میں ایک مطلقہ ہو کر اپنی بچّی کے ساتھ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوں تو اس کے ذمہ دار کہیں نہ کہیں آپ بھی ہیں۔'' وہ ایک ہی سانس میں دل کا سارا غبار باہر نکال دی اور میں ہمدردی جتاتے ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''واقعی میں تمہارا گناہ گار ہوں جو ہو سکے تو مجھے معاف کر دو یا پھر جو سزا تجویز کرو میں بھگتنے کو تیار ہوں۔''

''میں کون ہوتی ہوں سزا مقرر کرنے والی؟'' وہ آگے بولی: ''آپ بس اتنا کرم فرما دیں، میری سچائی جان کر اپنی چاہت کو کم نہ کریں، میرے ساتھ میری بچّی کو بھی قبول فرما لیں۔ ہو سکتا ہے اس کرم فرمائی سے آپ کی اس فاش غلطی کا مداوا ہو جائے۔''

اس کی اس التجا نے مجھے گہری سوچ میں ڈال دیا۔ مجھے قدرے احساس ہوا کہ میں ہی اس کے پیار میں پاگل ہوا جا رہا تھا اس لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں بن رہی تھی اور اس لیے میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

گھر پہنچ کر میں نے پھر سے بہن سے رجوع کیا تو وہ اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ گئی۔ بہن کا درد چھلک پڑا۔

''ذرا سوچئے بھیا آپ کی اس حرکت سے میری شادی کے رشتے پر کیا اثر پڑے گا۔ لڑکے والے اس کا کیا نتیجہ اخذ کریں گے۔''

میری خود غرضی نے مجھے اسے اور اس کی بیٹی کو اپنانے سے انکار کر دیا۔ مگر اس کی معصوم بچّی کی ایک مسکان نے میرے پتھر دل کو موم کر دیا اور میں۔۔۔ ■

E-20Gulshan colony,
West chowbaga Kolkata-700105
Mobile: 6290943040

ستم

بے رونقی سے تو مجھے میری نکال دے
میری طرف بھی اپنی محبت اُچھال دے
میرے بھی شاہکار کی دنیا مثال دے
پروردگار اتنی تو حسرت نکال دے
محفل میں ہر کسی کو ہے تیرا ہی انتظار
پی کر سنبھل نا کہ جو اُس کو سنبھال دے
نظروں کو پھیر کر ترا رُخسار سنوارنا
ہر باشعور شخص کو الجھن میں ڈال دے
اے حسنِ باکمال جوانی تجھی سے ہے
مجھ کو بھی اپنا صدقۂ حسن و جمال دے
ثقلینؔ آ رہا ہے کوئی مدتوں کے بعد
شکوے تمام آج کے توکل پہ ٹال دے

ثقلینؔ جوالاپوری
ہری دوار، اتراکھنڈ